© rasailojaraid.com

تنقید و تبصرہ

تحریک جماعت اسلامی ، ایک تحقیقی مُطالعہ

تالیف ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس۔ شائع کردہ دارالاشاعت الاسلامیہ۔ کرشن نگر لاہور

زیر نظر کتاب کے مصنف ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جماعت اسلامی کے رکن رہ چکے ہیں، اور ان کی یہ کتاب دراصل ایک بیان ہے جو انہوں نے بحیثیت رکن جماعت اسلامی اکتوبر ۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی کی مقرر کردہ جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

گو اس بیان کے کچھ عرصہ بعد موصوف نے جماعت اسلامی سے قطع تعلق کر لیا۔ لیکن انہوں نے فوراً ہی اس بیان کو شائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اب تقریباً دس سال کے بعد وہ اس بیان کو کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

مصنف نے جماعت اسلامی سے مستعفی ہوتے وقت جو خط لکھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خلوص سے جماعت میں داخل ہوئے اور کن باطنی مجبوریوں نے انہیں قطع تعلق پر آمادہ کیا۔ اس خط کا ایک اقتباس یہ ہے :-

"........ اپنے بیان جائزہ کمیٹی کے تحریر کرنے کے ایک سال قبل سے میں ذہنی کش مکش میں مبتلا ہوں اور اس واقع کو بھی آج چھ ماہ سے اوپر کا عرصہ ہو چکا ہے، جس میں میں نے جذبات سے خالی ذہن کے ساتھ بھی اور جذبات کی رفاقت کے ساتھ بھی دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح مسلسل غور کیا ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کی دعا کرتے ہوئے ایک فیصلہ کیا ہے۔ جب اسمبلی آیا تھا تو ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا کے ساتھ رب ادخلنی مدخل صدق دعا کرتا ہوا آیا تھا۔ اور آج جب باہر جا رہا ہوں تو اپنے اللہ سے واخرجنی مخرج صدق کی دعا کرتا ہوا جا رہا ہوں ...... (تحریر ۲۹ رمضان المبارک ۷، ۱۳ھ بحالت اعتکاف)

ڈاکٹر صاحب کے اس پورے بیان کا لب لباب یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے دو دور ہیں، جہاں تک اس کے پہلے دور کا تعلق ہے جو قیام پاکستان سے پہلے کا ہے۔ وہ مجملاً صحیح تھا۔ اور اس دور میں اس کی حیثیت ایک اصولی اسلامی تحریک کی تھی۔ لیکن بقول ان کے دور ثانی میں ایک اصولی اسلامی جماعت کی خصوصیات کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔ یہ ایک خالص بے اصولی قومی جماعت کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو یا تو واقعی اسلام پسند ہے یا اپنی قوم میں برسر اقتدار آنے کے اسلام کو بطور ذریعہ استعمال کر رہی ہے۔"

مصنف نے صفحہ ۷ سے لے کر صفحہ ۱۰۵ تک تحریک جماعت اسلامی کے دور اوّل کے بنیادی افکار و نظریات پیش کئے ہیں۔ اور ان سے یہ نتیجہ نکالا ہے:۔

"واقعہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی تحریک کا یہ دور اوّل کم از کم ظاہری اعتبار سے بالکل وہی نقشہ پیش کرتا ہے، جو ہمیشہ سے انبیائے کرام علیہم السلام کی تحریکوں کا خاصہ رہا ہے بالکل وہی افکار و نظریات و عقائد۔ اور بعینہ وہی دعوت پیش کی گئی کہ جو انبیائے کرام پیش کرتے آئے ہیں اور بہت حد تک وہی نصب العین اختیار کیا گیا اور اس کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا گیا کہ جو ان کی تحریکوں میں اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ ان دونوں کے نقوش میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے اور بنظر ظاہر ان میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا۔"

ہمارے نزدیک محترم ڈاکٹر صاحب کا جماعت اسلامی کے بارے میں یہ محض حسن ظن ہے۔ اور جماعت اسلامی کی یہ تحریک جس ایک شخصیت کی ذہنی اور عملی سرگرمیوں کا حاصل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ مصنف کو اس حقیقت کے ماننے میں تامل ہے، اس میں یہ سب "محو بیاں" اور "عذر بیاں" مضمر تھیں، جن کی نشان دہی ڈاکٹر صاحب نے دور اول اور ثانی میں کی ہے۔ اس تحریک کے دور اول کو انبیائے کرام کی تحریکوں کے مشابہ قرار دینا، ہمیں معاف کیا جائے، اگر ہم عرض کریں، انبیائے کرام کی تحریکوں کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ مولانا مودودی کی تحریک جماعت اسلامی ہے، اور ہم اسے یہی نام دیں گے، دور ثانی میں جو کچھ ظہور میں آیا، وہ اس کے دور اول کا لازمی نتیجہ تھا۔ کیونکہ یہ تحریک جیسا کہ مولانا نے اس کا تصور بنایا، اور اسے پیش کیا اسی منزل تک پہنچنے والی تھی۔ تحریکوں کو ان کے زبانی دعووں اور نمائشی مظاہر سے نہیں جانچنا چاہیئے ان کا تاریخ کے ایک خاص دور میں کیا کردار ہوتا ہے۔ اور وہ عملاً عناصر کی ترجمان بنتیں اور کن مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں، دراصل انہیں پرکھنے کی یہ کسوٹی ہوتی ہے، ہم مصنف سے متوقع ہیں کہ وہ اپنے اس نقطۂ نظر پر نظر ثانی کریں گے، اور کم سے کم اس بارے میں جن حقائق تک ان کے پیش رو اور جماعت اسلامی کے ایک رکن رکین جناب وحید الدین خاں پہنچے تھے ان کو قابل لحاظ سمجھیں گے،

آج سے کوئی تین سال پہلے "تعبیر کی غلطی" کے نام سے وحید الدین خاں صاحب کی ایک کتاب شائع ہوئی تھی۔ اس کی بھی کم و بیش وہی نوعیت تھی، جو ڈاکٹر صاحب کی کتاب کی ہے، لیکن وہ اس ضمن میں جن نتائج پر پہنچے، وہ بالکل برعکس تھے اس کتاب کے نتائج سے خاں صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مولانا مودودی نے قرآن مجید کی جن آیات سے اپنی تحریک کا تانا بانا تیار کیا، ان کے وہ معنی ہی نہیں، جو مولانا نے کئے۔ یعنی اس تحریک کی اصل بنیاد ہی صحیح نہیں مثلاً وہ لکھتے ہیں:-

> "دین کا ایک نظام ہونا بذات خود غلط نہیں ہے۔ مگر جب نظام کے تصور کو یہ حیثیت دی جائے کہ یہی وہ سبب جامع ہے جو اس کے منفرق اجزا کو ایک کل میں سموتا ہے تو یقیناً غلط ہو جاتا ہے۔ اور یہی اس فکر کی اصل غلطی ہے۔"

بہر حال ایک غلطی تو یہ ہے کہ دین کو "نظام" کا مترادف قرار دیا گیا۔ اور اس سے کہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی غلطی مولانا مودودی نے یہ کی کہ اس نظام کی انہوں نے جو تفصیلات پیش کیں، ان میں حقیقی دین کا حصہ بہت کم تھا۔ چنانچہ خان صاحب نے "تعبیر کی غلطی" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ اس طرح دین اسلام کا جو نظریہ پیش کیا گیا یہ نہ تو قرآن کی آیات پر چسپاں ہوتا ہے اور نہ صلحائے امت کی زندگیاں اس کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ دین کا وہ مخصوص نقشہ جو اس فکر کے نزدیک دین کا صحیح ترین نقشہ ہے اس کے حق میں سارے قرآن میں کوئی بھی صریح آیت نہیں ...... یہ اس استدلال کی نظریاتی خامی ہوئی، اس طرح عملی اعتبار سے دیکھئے تو امت کی ساری تاریخ کوئی بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس نے اس ڈھنگ پر "جامع انقلابی تحریک" چلائی ہو"

ڈاکٹر صاحب کو جماعت اسلامی کا دور اوّل اس لئے بہت روشن نظر آتا ہے کہ اس میں تمام تر نظریات و افکار بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں دعاوی کی بھرمار رہی۔ اور ان دعاوی کو عمل میں لانے کی نوبت نہ آئی تھی لیکن جیسے ہی اس تحریک کا عملی دور آیا، تو اس میں جو اصل حقیقت پنہاں تھی، وہ اوپر آگئی، اور یہ ثابت ہوگیا کہ بانی و مفکر تحریک کے پیش نظر اسلام کے نام سے سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے اور بس۔

ہم نے جو عرض کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن بزرگوں نے مولانا مودودی کی دعوت پر شروع شروع میں لبیک کہا اور جماعت اسلامی سے وابستہ رہے، وہ مخلص نہ تھے، یا وہ اسلام کی سربلندی کا مقصد لے کر اس میں شامل نہیں ہوئے تھے، بے شک ان کی غالب اکثریت مخلصین پر مشتمل تھی لیکن جماعت اسلامی کی طرح کی اس دور میں کتنی اور اسلامی تحریکیں ہیں کہ لوگ بڑے خلوص سے ان میں شامل ہوئے لیکن آگے چل کر وہ کچھ اور نکلیں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مخلص متقدین کی ایک کافی بڑی تعداد موجود ہے، جو دل سے اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور جب بھی انہیں کسی کونے سے اس کی دعوت ملتی ہے، تو اس کی طرف وہ لبیک پڑھتے ہیں، اور بڑے خلوص اور للہیت سے فریضۂ اقتدا ادا کرتے ہیں، لیکن جب نظریات یا دعادی سے عمل پر معاملہ آتا تو ان میں سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جیسے تنقیدی بصیرت رکھنے والے ایسی دعوتوں تضادات پر چونک پڑتے ہیں، اور ان سے قطع تعلق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، یہی قصہ جماعت اسلامی کا ہے اس کا دور اول بھی دور ثانی کے سے تضادات سے بھرپور ہے ضرورت صرف اسے دیکھنے کی تھی لیکن جب تک کوئی تحریک دائرہ نظریات تک محدود رہتی ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تضادات سطح پر نہیں آتے، اور اکثر لوگ خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر ۵ر نومبر ۵۳ء کو جب ڈاکٹر صاحب نے رکنیت جماعت کے لئے درخواست دی، تو ان کے جو جذبات تھے ان کی عکاسی درخواست کے اس اقتباس سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:۔ "میں یہ محسوس کرتا ہوں اور آج سے نہیں بلکہ آج سے چار سال قبل سے محسوس کر رہا ہوں کہ اقامت دین میرا فرض ہے اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس دور میں پیدا ہوا جب کہ خالصتہً اقامت دین کے کام کے لئے جماعت اسلامی قائم ہو چکی ہے۔ اور میں آسانی کے ساتھ اس میں شریک ہو کر اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سعی کر سکتا ہوں۔ اس لحاظ سے میں جماعت اسلامی کے وجود کو اپنے لئے ایک نعمت تصور کرتا ہوں۔۔۔۔"

موصوف کے ان جذبات کے خلوص پر کسے شک ہو سکتا ہے، لیکن ابھی دو سال نہیں گزرے تھے کہ اس خالصتہً اقامت دین کا کام کرنے والی جماعت کے عمل کو قریب سے دیکھ کر وہ اتنے منغص ہو گئے کہ ان کو اس سے مستعفی ہونا پڑا، اور انہوں نے اور باتوں کے علاوہ اپنے استعفےٰ میں یہ لکھا:۔

"جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہونے سے لے کر اجتماع ماچھی گوٹھ تک جماعت اسلامی پاکستان کے حلقوں میں جن ناخوشگوار اور کریہہ واقعات کا چکر چلا ہے، ان کو محض یاد کرنے ہی سے انسان کو سخت اذیت اور کرب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔۔۔۔ پھر اس (قرارداد) کی مختلف توجیہیں اور جماعت کے مختلف حلقوں کی طرف سے مختلف ردّ عمل، اس کے نتیجے کے طور پر سازشوں کی برملا تہمتیں۔ اکابرین جماعت کا ایک دوسرے کے بارے میں انتہائی گری ہوئی رائیوں کا اظہار۔۔۔ یہ سارے معاملات میرے لئے اس اعتبار سے تو غیر متوقع نہ تھے کہ میری تو رائے ہی یہ تھی کہ اب جماعت ایک خالص سیاسی جماعت بن گئی ہے۔ اور یہ اس کے ناگزیر ثمرات ہیں لیکن اس لحاظ سے کمر توڑ دینے والے تھے کہ جماعت میں اخلاقی تنزل اور گراوٹ کے بارے میں اتنی پست رائے میں نے ابھی قائم نہیں کی تھی۔۔۔۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سچ پوچھئے تو مولانا مودودی شروع ہی سے ایک سیاسی آدمی تھے، اور ان کی یہ تحریک
ن ایک سیاسی تحریک تھی۔ اور اس میں اصلاً کوئی قباحت نہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک سیاسی
زنا کوئی عیب کی بات نہیں، لیکن مولانا کی زیادتی یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنی سیاسی
ریک کے لئے سیاسی معیار بناتے تاکہ ان پیمانے سے جانچا جا سکتا انہوں نے اس تحریک کو اقامت
ن کا نام دے کر ہر طرح کی عقلی و مادی جانچ سے ماوراء بنا لیا، اور اولاً اور آخراً سیاسی
ڈر ہوتے ہوئے اپنے اقتدار کا سرچشمہ الوہی طاقت کو منوانا چاہا۔ ان کی شخصیت اور
سیاست کا تمام تر تضاد یہ ہے۔

اب ہم ان کی "بنیادی افکار و نظریات" کا ذکر کرتے ہیں، جو بقول مصنف، جماعت
سلامی کے دور اول کے ساتھ مخصوص تھے۔ ان کے نزدیک "سب سے پہلی اور سب سے اہم
خصوصیت یہ کہ اس نے ظاہری اسلام" اور "حقیقی اسلام" اور "نسلی مسلمان" اور اصلی مسلمان"
بں فرق اور امتیاز قائم کیا۔ اور مسلمانوں کو حقیقی اسلام کو شعوری طور پر اختیار کرنے اور اصلی
سلمان بننے کی دعوت دی۔" مصنف نے اس کے ثبوت میں مولانا مودودی اور مولانا امین احسن
اصلاحی کی تحریروں سے اقتباس پیش کئے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک اس خصوصیت کی
تمام تر حیثیت منفیانہ تھی۔ اور اس پر تھا کہ یہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، یہ درحقیقت
حقیقی مسلمان نہیں اب حقیقی مسلمان کون ہیں؟ جو ان نظریات کو مانتے ہیں، گویا معاملہ محض نظری
لحاظ سے ماننے کا تھا۔ اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے، اس دور میں حقیقی مسلمان وہ تھے جو کہ
کانگرسی علماء سے بھی بیزار ہوں اور مسلم لیگی لیڈروں سے بھی، جمہوریت کو شرک سمجھیں
اور وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا کفر گردانیں۔

مصنف کے نزدیک اس دور کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس (تحریک جماعت اسلامی)
نے اپنی دعوت اور اپیل کو مسلمانوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے غیر مسلموں تک عام
کر دیا۔۔۔" ہمارے خیال میں یہ بھی ایک بہت مغالطہ ہے اور جماعت کے دعوتی Platitudes
سے خواہ مخواہ یہ معنی اخذ کئے گئے ہیں۔ جو جماعت اس کی قائل ہو کہ مسلمانوں کا مسلمانوں
کی قومی حکومت کے لئے جدوجہد کرنا کفر ہے اور جو جمعیت العلماء کے ایسے ارکان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بے نقط سنائے جو احکام اسلام کے سختی سے پابند ہونے کے باوجود کانگرسی ہندؤں کے ساتھ مل کر استخلاص وطن کی جدوجہد کریں۔ اسی جماعت کی دعوت کو عمومی گردانتا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اسی دور میں جماعت اسلامی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انگریزی اقتدار کے خلاف جدوجہد کرنے والی دونوں سیاسی جماعتوں کانگرسی اور مسلم لیگ کی سخت مخالفت کی اور اس مخالفت ہی کو عین اسلام قرار دیا۔

اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں:۔

"مسلم قوم پرستی کی بجائے اسلام پرستی جماعت اسلامی کے بنیادی خصائص میں سے وہ تیسری اہم خصوصیت ہے جو پہلے دو خصائص کی ترکیب سے وجود میں آئی۔ قوم پرستانہ نصب العین کو چھوڑ کر جماعت اسلامی نے جو نصب العین اختیار کیا اور جسے قبول اور اختیار کرنے کی دعوت اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو دی وہ "حکومت الہیہ" کا قیام ہے۔"

بے شک "حکومت الہیہ" کو بطور ایک نصب العین کے اپنانا ایک جماعت کے لئے قابل اعتراض نہیں ہو سکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہندوستان کے عوام مسلمان اور ہندو دونوں، برطانوی اقتدار کے خلاف رزم آرا تھے عین اس وقت ان کوششوں کو مطعون کرنا اور ایک غیر معین مبہم نظری تصور کی مسلمانوں کو دعوت دینا عملاً کیا معنی رکھتا ہے۔ فاضل مصنف کو اسی مسئلے پر اسی نظر سے بھی غور کرنا چاہیئے تھا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کی اس دور کی بعض اور خصوصیات بھی گنائی ہیں اور آخر میں انہوں نے تحریک کے "موسس اور قائد" کی اس رائے پر صاد کیا ہے کہ یہ تحریک پورے حق کو پیش کر رہی تھی اور اس اعتبار سے انبیائے کرام کی تحریکوں کی وارث اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک کی جانشین تھی۔

اپنی دعوت کے اس طرح پورے حق ہونے کا یہی مغالطہ تھا، جو اس جماعت اور اس کے قائد کی جملہ غلط بیوں کا باعث بنا۔ اور ان کا توازن قائم نہ رہ سکا۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلسلے میں مولانا مودودی کا یہ دعویٰ ملاحظہ ہو :-

"...... اس قسم کی ایک دعوت کا، جیسی کہ ہماری یہ دعوت ہے، کسی مسلمان قوم کے اندر اٹھنا اس کو ایک بڑی سخت آزمائش میں ڈال دیتا ہے...... جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے ..... یا نہیں تو اسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کرلے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے"

اور اس پورے حق پر مشتمل دعوت کے مخاطب صرف مسلمانانِ ہند نہ تھے، بلکہ مولانا نے دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو بھی اسی دعید کا مخاطب بنایا، چنانچہ لکھتے ہیں۔

اب چونکہ یہ دعوت ہندوستان میں اٹھ چکی ہے۔ اس لئے کم از کم ہندی مسلمانوں کے لئے تو آزمائش کا وہ خوفناک لمحہ آ ہی گیا ہے۔ رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت پہنچانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو جہاں جہاں یہ پہنچے گی، وہاں کے مسلمان بھی اسی آزمائش میں پڑ جائینگے"

ڈاکٹر صاحب کا فرض تھا کہ وہ اس قسم کی تعلیوں پر انتقاد کرتے، جیسے کہ "تعبیر کی غلطی" کے مصنف نے کی تھی، کیونکہ اس تحریک کی اصل بنائے خرابی اس قسم کے زعم اور خود فریبی ہے۔

کتاب کے ایک باب میں جو ۱۰۹ صفحہ سے ۲۲۸ صفحہ تک ممتد ہے جماعت اسلامی کے دور ثانی کی خصوصیات بیان کی گئی ہے۔ اور اس کے سر عنوان بالکل بجا طور پر یہ مصرعہ درج ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

مصنف لکھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کے بعد جماعت اسلامی نے سب سے پہلا تجوان تو یہ بدلا کہ وہ ایک خالص اصولی اور بین الاقوامی، بلکہ انسانی بنیادوں پر دعوت کی علمبردار [illegible] اس نے پاکستان میں آکر مسلم قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا۔" یہ بھی موصوف کی خوش فہمی ہے۔ جماعت نے پاکستان میں آکر مسلم قوم پرستی کا نہیں خالص فرقہ پرستی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اسی طرح کی فرقہ پرستی جیسے اس وقت ملک میں بعض دوسری فرقہ پرستیاں ہیں۔ اب اسے اپنی اس فرقہ پرستی کو مقبول عوام بنانے کے لئے وہ سب حرکتیں کرنا پڑیں، جو ہمارے ہاں کے دوسرے مذہبی فرقے کرتے ہیں۔

چنانچہ بقول مصنف "اب غیر مسلموں کے لئے کسی اتمام حجت کی سرے سے ضرورت باقی نہ رہی اور انہیں جوں کے توں کافر" تسلیم کر لیا گیا۔ پہلے انگریزوں، پارسیوں، ہندوؤں اور سکھوں تک کو کافر کہنا (باعتبار حقیقت نہ کہ باعتبار قانون) صحیح نہ تھا۔ اور اب ان لوگوں کی تکفیر کے لئے بھی سعی و جہد میں باقاعدہ حصہ لیا گیا، جو کم از کم اہل قبلہ تھے اور جن کو خود اپنے اسلام پر اصرار تھا۔ اور یہ اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک "دور ثانی میں اس کا مزاج اور مذاق بالکل عوامی سطح پر آ گیا۔"

اس سلسلے میں مصنف نے بڑی تفصیل سے اینٹی قادیانی تحریک کے بارے میں جماعت اسلامی کے مشہور و معروف "رول" کا ذکر کیا ہے، کہ کس طرح پہلے جماعت اس قسم کی باتوں کے خلاف تھی، لیکن جب عام مسلمانوں کا اس طرف رجحان دیکھا تو وہ بھی اس میں شریک ہو گئی، اور بعد میں اس کا نام تک نہ لیا، پہلے جماعت کا موقف یہ تھا کہ قادیانیت بذات خود نہ تو سرے سے اس قابل ہے کہ اسے ایک مسئلہ بنایا جائے اور بنایا جائے تو اس فتنے کے ابطال کا وہ طریق کار جو مجلس احرار نے اختیار کیا ہے، نہ اصولاً صحیح ہے اور نہ نتائج کے اعتبار سے مفید" لیکن جب عوام کے جذبات مشتعل ہو گئے تو جماعت اسلامی اپنی تمام اصول پسندی اور اصول پرستی کو ذبح کر کے ان کی قیادت کرنے کو تیار ہو گئی اور اس ہنگامے کے فرو ہونے کے بعد بقول مصنف "...... جماعت نے بھی مسئلہ کا نام لینا بند کر دیا اور آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ سرے سے پیدا ہوا ہی نہیں تھا۔ یہ پوری داستان بے اصولے پن اور عوام پرستی کا شاہکار نہیں تو اور کیا ہے۔"

اس بیان کی تدوین کے بعد غلاف کعبہ کی نمائش اور صدارتی انتخاب میں ایک عورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیدوار کی تائید کر کے اپنے پچھلے تمام دعوؤں اور اصولوں کی جماعت اسلامی کی قیادت نے جس طرح مٹی پلید کی، اس کی یاد اب تک تازہ ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد جماعت کی پالیسیوں میں یہ تبدیلی کیوں آئی، ڈاکٹر صاحب نے آخر میں اس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ "۱۹۴۷ء میں پاکستان میں کچھ اس طرح کے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ تحریک اسلامی کے لئے ایک بظاہر آسان اور مختصر راستہ SHORT CUT دفعتہً نگاہوں کے سامنے آ گیا اور وہ یہ کہ غیر مسلموں کے انخلا کی وجہ سے پاکستان میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو گئی ہے۔ اور اس کے دل میں اسلام کی محبت کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے خاص طور پر اس وقت دس پندرہ سال کی قومی تحریک نے اس محبت یا کم از کم اس محبت کے اظہار کو جلا دے دی ہے۔ لہٰذا اس وقت ان کی محبت کو خواہ وہ محض جذباتی اور سطحی ہی ہو کام میں لا کر اس مملکت کے دستور کو صحیح بنیادوں پر اٹھایا جا سکتا ہے اور اسی محبت کے بل پر اور کچھ اس بناء پر کہ قیادت میں ایک خلا بہرحال پیدا ہوگا، انقلاب قیادت کا مرحلہ بھی آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا بڑھو اور اس SHORT CUT سے اقتدار ہاتھ میں لے کر نیچے سے اوپر کی طرف ایک فطری طریقہ پر انقلاب لانے کا کھیکھڑ مول لینے کی بجائے اوپر سے نیچے کی طرف انقلاب لانے کا ایک موقعہ جو مل رہا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

مصنف کا یہ تجزیہ بہت حد تک صحیح ہے، ہمارے نزدیک نہ صرف جماعت اسلامی کے قیام کے بعد، بلکہ جب سے کہ مولانا مودودی قلم و قرطاس کی مدد سے قیادت کے میدان میں آئے ہیں ان کا اس طویل دور کے ہر مرحلے میں ہمیشہ یہ نصب العین رہا کہ خدا نے انہیں جو صلاحیتیں دی ہیں، ان سے کام لے کر وہ آگے آئیں، اس آگے آنے کے لئے وہ ان مرحلوں میں جن جن عناصر کو اپنے لئے ممد و معاون پاتے تھے، وہ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے کانگرس اور مسلم لیگ کی آویزش کے دوران انہوں نے جمہوریت کی مخالفت کو آگے بڑھنے کے لئے سازگار پایا قیام پاکستان کے بعد دستور اسلامی کا نعرہ کام آیا۔ اور اس کے لئے وہ ان تمام علماء کو ساتھ لینے کے لئے تیار ہو گئے۔ جن سے انہیں کلی اختلاف تھا۔ یہ سمجھ کر کہ مغربی پاکستان میں زمینداروں کا زور ہے، انہوں نے زمینداروں کی حمایت کر ڈالی۔ پھر اینٹی قادیانیت تحریک کو معقول پا کر اس کے ہم نوا ہو گئے۔ اور آخر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے نزدیک جمہوریت اور وہ بھی پارلیمانی جمہوریت اصل اسلام قرار پائی اور اب وہ اس کے قیام میں کوشاں ہیں۔

ہمارے نزدیک مولانا کے اس کے طرح سوچنے اور اس پر یوں عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا، اگر وہ اس ذیل میں دو باتیں کرتے۔ ایک تو یہ کہ اب زمانہ "مہدیوں" اور "اماموں" کا نہیں۔ اس زمانے میں قیادت اور اقتدار جماعت کا ایک فرد بن کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ آج جماعت مقدم ہے۔ اور فرد بعد میں آتا ہے۔ اسٹالن کی اس کے مرنے کے بعد جو درگت بنی، وہ اس کی ایک مثال ہے۔ مولانا کو یہ مقام منظور نہیں، وہ اول و آخر قائد ہیں اور قائد رہنا چاہتے ہیں۔ اور یہ رجحان ان میں شروع سے ہے؛ ۱۹۲۴ء میں ان کو جب مولانا محمد علی مرحوم روزنامہ "ہمدرد" کے ادارۂ تحریر میں شامل ہونے کو کہا گیا' تو انہوں نے بقول خود "ہمدرد" پر "الجمعیت" کو اس لئے ترجیح دی کہ وہاں وہ کسی کے ماتحت نہ ہوتے اور یاد رہے کہ اس وقت مولانا کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ عنفوان شباب میں مولانا ابوالکلام آزاد میں بھی یہ رجحان موجود تھا۔ لیکن جلد ہی سدھر گئے' لیکن مولانا مودودی اب تک اسی طرح سوچتے ہیں۔

دوسرے مولانا مودودی اپنے سامنے کی چیزوں کی باریکیوں کو خوب سمجھ لیتے ہیں، اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قدرت نے انہیں تدبیر و تنظیم کی تمام صلاحیتیں بھی عطا کی ہیں، لیکن بدقسمتی سے ایک تو ان کے ذہن کا کینوس بہت چھوٹا ہے، دوسرے وہ دور تک نہیں دیکھتے اور تاریخی، معاشی اور سیاسی قوتیں آج جس طرح بروئے کار ہیں، ان پر ان کی نظر نہیں چنانچہ ہوس اقتدار میں وہ اکثر عجلت پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے دراصل مولانا کی عظیم شخصیت کا المیہ۔

زیر نظر کتاب کی قیمت چار روپے ہے۔

(م۔ س)

© rasailojaraid.com